ارے بتاؤ کون ہے یہ زندگی کا نغمہ خواں　　یہ کس کی زندہ گونج سے لرز رہا ہے آسماں
یہ کس کا حرف گرم ہے ستارہ بارِ مہ چکاں　　ارے یہ کون بھر رہا ہے دلولوں میں بجلیاں

یہ شاعرِ حیات ہے، یہ جوشِ بادہ خوار ہے
بہار پھر بہار ہے، بہار پھر بہار ہے

ماتمِ آزادی

اے ہمنشیں! فسانۂ ہندوستاں نہ پوچھ　　رودادِ جام بخشیٔ پیرِ مغاں نہ پوچھ
بربط سے کیوں بلند ہوئی ہے فغاں نہ پوچھ　　کیوں باغ پر محیط ہے ابرِ خزاں نہ پوچھ

کیا کیا نہ گل کھلے روشِ فیضِ عام سے
کانٹے پڑے زبان میں پھولوں کے نام سے

شاخیں ہوئیں دو نیم جو ٹھنڈی ہوا چلی　　گم ہوگئی شمیم جو بادِ صبا چلی
انگریز نے وہ چال بہ جور و جفا چلی　　برپا ہوئی برات کے گھر میں بلا چلی

خونِ چمن بہار کے آتے ہی بہ گیا
اترا جو طوق اور بھی دم گھٹ کے رہ گیا

جھومی گھٹا، فضا سرور آمیز ہو گئی　　کھولی خوشی نے زلف غم انگیز ہو گئی　باطل
مچلی نسیم عقل، جنوں خیز ہو گئی　　سائے میں دھوپ اور بھی کچھ تیز ہو گئی　پایا

پارا، چلی جو سرد ہوائیں تو چڑھ گیا
درماں ہوا تو دردِ جگر اور بڑھ گیا

اک دل نشیں کلی جو سرِ باغ کھل گئی　　تو خاک میں لطافتِ گلزار مل گئی　چھکے
پہنی قبائے نرم تو جلد اور چھل گئی　　ٹھہرا جو دل تو صبر کی بنیاد ہل گئی　دوڑ

شبنم اُدھر گہر، ورق گل پہ جڑ گئی
گلزار زندگی پر اِدھر اوس پڑ گئی

باجے بجے تو شورِ فغاں دور تک گیا　　کشتی ملی تو خیرسے دریا بچک گیا　فتنے
شبنم گری، دلِ سمن و سرو پک گیا　　بوندیں پڑیں تو اور بھی گلشن وندک گیا　حاصل

اپنا گلا خروشِ ترنم سے پھٹ گیا
تلوار سے بچا تو رگِ گل سے کٹ گیا

دولت ملی تو اور بھی نادار ہو گئے　　صحت ہوئی نصیب تو بیمار ہو گئے　چھٹکی
اترا جو بار اور گراں بار ہو گئے　　آزادیوں ہوئے کہ گرفتار ہو گئے　چھیڑ

پگھلا جو آسماں تو زمیں سنگ ہو گئی
پو یوں پھٹی کہ صبح چمن دنگ ہو گئی

باطل ہوا جو خوف تو دل اور ڈر گیا　　بھیگیں مسیں تو زیست کا منہ اور اتر گیا
پایا سبو تو عمر کا پیمانہ بھر گیا　　پرساں ہوئے مسیح تو بیمار مر گیا

نغمے چھڑے تو شورشِ بیکار بن گئے
گونجے جو راگ تیغ کی جھنکار بن گئے

چہکے جو اعتماد کے گلزار میں طیور　　بے اعتمادیوں کا گیا شور دُور دُور
دوڑا رخِ فسردہ پہ جب زندگی کا نور　　دی موت نے صدا کہ "نمستے شری حضور"

باقی رہے جگہ نہ کوئی موت کے لیے
لونڈی سبھا میں آئی ہے ڈنڈوت کے لیے

فتنے مٹے تو امن کی دولت نہیں رہی　　انساں کی وہ قدر وہ قیمت نہیں رہی
حاصل ہوا عروج تو عزت نہیں رہی　　پائی جو حرّیت تو حرارت نہیں رہی

جب روزگار گرم ہوا سنگ ہو گئے
وسعت ملی تو اور بھی دل تنگ ہو گئے

چھٹکی جو چاندنی تو بڑھی ظلمتوں کی شان　　بازار جب کھلا تو ہوئی بند ہر دکان
چھیڑے جو راگ سر پہ کڑکنے لگی کمان　　چھت کی لگی جو ڈاٹ تو شق ہو گیا مکان

درماں سے اور دل ہمہ تن درد ہو گیا
پھوٹی کرن تو صبح کا منہ زرد ہو گیا

شادی ہوئی تو غم کے خزانے لٹا دیے کچھ یوں دیے جلائے کہ دل ہی بجھا دیے
سہرا بندھا تو شرم کے پردے اٹھا دیے مہندی لگی تو خون کے دریا بہا دیے

دولھا بنے تو حد مسرت سے بڑھ گئے
گھوڑے کے لات مار کے سولی پہ چڑھ گئے

دہکے تو سوزِ موجِ تکلم نہیں رہا چہکے تو لحن سازِ ترنم نہیں رہا
لہکے تو رقص و رنگ و تبسم نہیں رہا مہکے تو بوئے گل کا تلاطم نہیں رہا

کانپے جو تارِ دیوِ محن بولنے لگا
خیمے ہوئے جو نصب تو رن بولنے لگا

ابھرے تو جوشِ بادہ گساراں نہیں رہا بادل گھرے تو رنگ بہاراں نہیں رہا
باتیں کھلیں تو رقصِ نگاراں نہیں رہا بوتل کھلی تو مجمعِ یاراں نہیں رہا

کوئی سبیلِ بادہ پرستی نہیں رہی
مستی کی رات آئی تو مستی نہیں رہی

جب باغبانِ قوم ظفر مند ہو گیا ہر برگِ نرم خاک کا پیوند ہو گیا
عاشق جو وصلِ یار سے خورسند ہو گیا فالج گرا دماغ پہ دل بند ہو گیا

اترا بخار عقل کو طاعون ہو گیا
پیدا ہوا لہو تو جگر خون ہو گیا

بخیہ ہوا تو اور بھی چادر اُدھڑ گئی ۔۔۔ بندھن کھلے تو جسم کی رگ رگ جکڑ گئی
بھرنے لگے جو شہر تو بستی اجڑ گئی ۔۔۔ ٹوٹی رسن تو عقل میں زنجیر پڑ گئی

طاقت ملی تو کوئی توانا نہیں رہا
برسا جو مینہ تو کھیت کا دانا نہیں رہا

بارش ہوئی زمین دندک کر ابل گئی ۔۔۔ اودی گھٹا اٹھی تو ہری دوب جل گئی
ابھری حیات موت کے سانچے میں ڈھل گئی ۔۔۔ باہیں پڑیں گلے میں کہ تلوار چل گئی

آبِ بقا سے زہر کی لہریں ابل پڑیں
بوسے لیے تو منہ سے زبانیں نکل پڑیں

دشمن گئے تو دوست بنے دشمنِ وطن ۔۔۔ شبنم جو پی تو کھول گئے لالہ و سمن
سنکی ہوائے سرد تو کجلا گیا چمن ۔۔۔ خلعت کی تہہ کھلی تو برآمد ہوا کفن

نغمے چھڑے تو شور سرِ بام مچ گیا
چٹکی کلی تو باغ میں کہرام مچ گیا

ہر موئے زلف اینٹھ گیا، مار بن گیا ۔۔۔ ہر مہر کا خطیب جفاکار بن گیا
ہر صبح کا رسول، شبِ تار بن گیا ۔۔۔ ہر لوچ اک اُٹھی ہوئی تلوار بن گیا

بدلی نگاہ طور سے بے طور ہو گئے
ہم نوجوان ہوتے ہی کچھ اور ہو گئے

سکھ نے گرو کے نام کو بٹّہ لگا دیا　　مندر کو برہمن کے چلن نے گرا دیا

مسجد کو شیخ جی کی کرامت نے ڈھا دیا　　مجنوں نے بڑھ کے پردۂ محمل جلا دیا

اک سوئے ظن کو غلغلۂ عام کر دیا

مریم کو خود مسیح نے بدنام کر دیا

سکوں کے انجمن میں خریدار آ گئے　　سیٹھوں کے خادمانِ وفادار آ گئے

کھدر پہن پہن کے بداطوار آ گئے　　در پر سفید پوش سیہ کار آ گئے

تاریکیوں کو چھوڑ کے روشن جبیں گئے

جو لوگ آسمان تھے زیرِ زمیں[لے] گئے

پل بھر میں سوئے دشت جنوں مڑ گیا سماج　　اپنے وطن کی شرم نہ اپنے گرو کی لاج

رسمیں بدل گئیں، تہ و بالا ہوا رواج　　وہ گفتگو رہی نہ وہ لہجے، نہ وہ مزاج

گھر اپنا گھر گرہست ہی خود موسنے لگی

حد ہے زبانِ دیو پری چوسنے لگی

چلنے لگی لغت پہ چھری انتقام کی　　چھانٹی گئیں تمام جو لفظیں تھیں کام کی

رحمٰن ہی کی بات چلی اور نہ رام کی　　گدّی سے کھینچ لی گئی جو زباں تھی عوام کی

حیوان بوکھلا گئے منہ کھولنے لگے

انسان بولیاں وہ نئی بولنے لگے

لے : under ground

نسرین و گل کو شعلۂ بے باک کر دیا　　سرو و چنار کو خس و خاشاک کر دیا
چھوڑے انار لاکھ کا گھر خاک کر دیا　　خود بوئے گل نے دامنِ گل چاک کر دیا

"شعلے بھڑک کے اٹھنے لگے دل کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے"

خائن ہوئے حریمِ امانت میں باریاب　　شیطاں بنے فرازِ ہدایت کے آفتاب
بیڑے ڈبو چکے ہیں جو بے حد و بے حساب　　ان ظالموں کا حضرتِ الیاس ہے خطاب

وہ جو تمام راہزنوں کا امام ہے
وہ شخص آج خضر علیہ السلام ہے

دیتے تھے صبح و شام سزائیں جو ناسزا　　گردن پہ جن کی خون ہے مردانِ راہ کا
کل جن کی ڈپٹیوں کا نشانہ تھے رہنما　　ان ڈپٹیوں کو ہم نے کلکٹر بنا دیا

قیدی چھٹے تو خیر سے برباد ہو گئے
جو قید کر رہے تھے وہ آزاد ہو گئے

حکام مجرموں کے ہیں دامن سیے ہوئے　　سی۔آئی۔ڈی ہے بادۂ غفلت پیے ہوئے
داروغہ جی ہیں قول، بدوں کو دیے ہوئے　　چوروں سے کوتوال ہے سازش کیے ہوئے

برٹش کے خادموں کو اچھالے ہوئے ہیں ہم
سانپوں کو آستین میں پالے ہوئے ہیں ہم

غدار تھے جو کل وہ محبِ وطن ہیں آج　　بدخواہ باغ ہمدمِ سرو و سمن ہیں آج
کل تک تھے جو سموم، نسیمِ چمن ہیں آج　　خسرو کے جو غلام تھے وہ کوہکن ہیں آج

لچھمن کا دل ہے شدّتِ غم سے پھٹا ہوا
در پر ہے رام چندر کے راون ڈٹا ہوا

مفسد ہیں فوجِ امن کے سالار آج کل　　ڈاکو ہیں سیم و زر کے نگہدار آج کل
زاغ و زغن ہیں مطربِ گلزار آج کل　　افسر ہیں بلبلوں کے چڑیمار آج کل

چنگیز خاں ہیں عیسیِ دوراں بنے ہوئے
کانٹے ہیں چوبِ خیمۂ بستاں بنے ہوئے

برطانیہ کے خاص غلامانِ خانہ زاد　　دیتے تھے لاٹھیوں سے جو حبِ وطن کی داد
جن کی ہر ایک ضرب ہے اب تک سروں کو یاد　　وہ آئی۔سی۔ایس اب بھی ہیں خوش وقت و بامراد

شیطان ایک رات میں انسان بن گئے
جتنے نمک حرام تھے کپتان بن گئے

سینوں سے اٹھ رہی ہے وہی بے دلی کی بھاپ　　اب بھی بغل میں ہیں کو دبائے ہوئے ہے پاپ
ماتھے پہ اب بھی "دولتِ طاغوت"[لے] کی ہے چھاپ　　بیٹے ہیں اس کے آج بھی ہم لوگ اور وہ باپ

آزادیاں ہیں بوئے غلامی لیے ہوئے
اب بھی سروں پہ تاج ہے سایہ کیے ہوئے

لے: common wealth
دولتِ مشترکہ

جھونکوں میں رقص وکیف ہے موسم میں اعتدال　　　لہکا ہوا ہے باغ تو نکھرا ہوا ہلال
لیکن بہ ایں سرور وبایں کثرتِ جمال　　　عشاق کی روش ہے نرالی شبِ وصال

معشوقہ ہے وفورِ حیا سے گڑی ہوئی
اغیار کے گلے میں ہیں باہیں پڑی ہوئی

اربابِ اقتدار کا اللہ رے کمال　　　دیکھو تو سربلند، ٹٹولو تو پائمال
کالوں کے عارضوں پہ ہیں گوروں کے خد وخال　　　بھارت کا رنگ روپ ہے برٹش کی چال ڈھال

ہاتھوں میں پھول جیب میں ڈھیلے لیے ہوئے
ساری گرو کی شان ہیں چیلے لیے ہوئے

گو حکم ہے کہ بندِ شبستاں کا در نہ ہو　　　جو آئے اعتراض کسی شخص پر نہ ہو
قدغن ہے یہ مگر کہ لبِ خشک تر نہ ہو　　　اندر سبھا میں لال پری کا گزر نہ ہو

روشن تھے کل جو سرخ پیالوں کے سامنے
گل آج وہ چراغ ہیں کالوں کے سامنے

وحشت روا، عناد روا، دشمنی روا　　　ہل چل روا، خروش روا، ہنسنی روا
رشوت روا، فساد روا، رہزنی روا　　　القصہ ہر وہ شے کہ ہے ناکردنی روا

انسان کے لہو کو پیو اذنِ عام ہے
انگور کی شراب کا پینا حرام ہے

جن کے قلم ہیں تیغ و تبر سے لڑے ہوئے ۔۔۔ جن کی لڑائیوں کے ہیں جھنڈے گڑے ہوئے
حق پر ہیں جو پہاڑ کی صورت اڑے ہوئے ۔۔۔ ذلت کے غار میں ہیں وہ اب بھی پڑے ہوئے

شاعر ہو یا ادیب قلندر ہے آج بھی
انگریز کا غلام گورنر ہے آج بھی

وہ شاعرانِ قوم گراں قدر و معتبر ۔۔۔ رہتے ہیں جن کی جیب میں اسرار بحر و بر
سورج پہ جن کا ہاتھ ہے اور پاؤں چاند پر ۔۔۔ روٹی وہ ڈھونڈتے ہوئے پھرتے ہیں دربدر

کیا چیز ہے ادب یہ کوئی جانتا نہیں
جانے وہ کیا جو حرف بھی پہچانتا نہیں

وہ جن کی وسعتوں کی کوئی انتہا نہیں ۔۔۔ سب سے سوا انھیں کے لیے تنگ ہے زمیں
دفتر میں کوئی قید، کوئی بوریا نشیں ۔۔۔ وہ ابتری ہے کوئی کہیں ہے کوئی کہیں

لوگ آئے اور گئے بھی غذا بانٹتے ہوئے
یہ رہ گئے دوات و قلم چاٹتے ہوئے

جاہل حضور کو نظر آتا ہے دوربیں ۔۔۔ عالم کو آنکھ اٹھا کے کبھی دیکھتے نہیں
باطل جبھی تو حق پہ چڑھائے ہے آستیں ۔۔۔ بیٹھی ہے آسماں کو دبوچے ہوئے زمیں

کوا ہے زمزموں کی ترازو بنا ہوا
مرغِ چمن ہے کاٹھ کا الو بنا ہوا

چھائی ہوئی ہیں
منکے ڈھلے ہوئے

خاموش ہیں طیو
پھولوں کو اب نہ

سرو سہی، نہ سا
جیحوں نہ جام جم

پھر زلزلے ہیں
پھر جرم بن چکے

چھائی ہوئی ہیں زیرِ فلک بدحواسیاں　　آنکھیں اداس اداس تو منہ ہیں دھواں دھواں

منکے ڈھلے ہوئے ہیں تو اینٹھی ہوئی زباں　　وہ ضعف ہے کہ منہ سے نکلتی نہیں فغاں

اک دوسرے کی شکل کو پہچانتا نہیں

میں خود ہوں کون؟ یہ بھی کوئی جانتا نہیں

خاموش ہیں طیور، چمن سرمہ در گلو　　شاخیں فسردہ، خوشۂ انگور زرد رُو

پھولوں کو اب نہیں ہے تمنائے رنگ و بو　　بلبل کو آشیاں میں قفس کی ہے آرزو

غارت گرِ بہار کا منہ چومنے لگے

آئیں جو آندھیاں تو چمن جھومنے لگے

سروِ سہی، نہ ساز، نہ سنبل، نہ سبزہ زار　　بلبل، نہ باغباں نہ بہاراں نہ برگ و بار

جیحوں نہ جامِ جم، نہ جوانی نہ جوئے بار　　گلشن نہ گل بدن، نہ گلابی نہ گل عذار

اب بوئے گل نہ بادِ صبا مانگتے ہیں لوگ

وہ حبس ہے کہ لو کی دعا مانگتے ہیں لوگ

پھر زلزلے ہیں راکبِ تمکینِ زندگی　　بے آئینی ہے ناظمِ آئینِ زندگی

پھر جرم بن چکے ہیں قوانینِ زندگی　　پھر موت ہے پیامبرِ دینِ زندگی

پھر شکلِ زندگی سے ڈرے جا رہے ہیں لوگ

بس اے حیات بس کہ مرے جا رہے ہیں لوگ

فٹ پاتھ، کارخانے، ملیں کھیت، بھٹیاں   گرتے ہوئے درخت، سلگتے ہوئے مکاں

بجھتے ہوئے یقین، بھڑکتے ہوئے گماں   ان سب سے اٹھ رہا ہے بغاوت کا پھر دھواں

شعلوں سے پیکروں کے لپٹنے کی دیر ہے

آتش فشاں پہاڑ کے پھٹنے کی دیر ہے

وہ تازہ انقلاب ہوا آگ پر سوار   وہ سنسنائی آنچ وہ اڑنے لگے شرار

وہ گم ہوئے پہاڑ وہ غلطاں ہوا غبار   اے بے خبر! وہ آگ لگی آگ، ہوشیار

بڑھتا ہوا فضا پہ قدم مارتا ہوا

بھونچال آرہا ہے وہ پھنکارتا ہوا

(۱۹۴۷ء)